# اردو کی ادبی تواریخ پر ڈاکٹرشمس الرحمٰن فاروقی کے اعتراضات کا تنقیدی جائزہ

ڈاکٹرسہیل محمود [1]،ڈاکٹریاسمین سلطانہ**

**Abstract:**

"Dr. Shams Ur Rahman Farooqui is one of the most prominent and bold references of contemporary criticism on Urdu literature. In his keynote address titled "A Modest Plea: Please, Could We Have A Proper History of Urdu Literature? "at University of Virginia in 2008, he raised some elusive but thought provoking points in his address. His main hypothesis, that we don't have 'proper' literary history of Urdu offers a good mixture of valid objections and a jumble of unjust observations. This article seeks analysis of these points and their validity. His opinion on several of the points he raised can't be contradicted but there are some where it could be."

تقریر کے اس مضمون کا آغاز ڈاکٹررالف رسل کی ایک تحریر How not to write a history of Urdu literature[1][2] سےہوتا ہے جس میں وہ اردو ادب کی تاریخ نویسی کے حوالے سے چندامتناعات کا مشورہ دیتے ہیں۔اجمالاً یہ امتناعات مندجہ ذیل ہیں:

* غیرمنتخب تاریخ ادب اردو بیان نہ کی جائے

*قارئین کو یہ بتانے سے جھجکنا نہیں چاہیے کہ وہ کیاچاہتے ہیں اورانہیں کیاجاننے کی ضرورت ہے۔

* ادبی تاریخ کو اس کے سماجی اورتاریخی سیاق وسباق سےجد اکرکے بیان نہ کیاجائے۔

رالف رسل نے اگرچہ یہ تونہیں لکھا کہ ادبی تاریخ کیسے لکھی جائے لیکن ان کے تینوں نکات سے جوبیانیہ تشکیل پاتا ہے اس کے مطابق اردوکی ادبی تاریخ 'منتخب' ہونی چاہیے۔اردو کے ادبی تاریخ نویس کو اپنے قارئین کو یہ بتانا چاہیے کہ وہ کیاجاننا چاہتے ہیں اور یہ کہ انہیں کیاجاننے کی ضرورت ہے اور یہ کہ اردو کی ادبی تاریخ کو اس کے سماجی و تاریخی سیاق و سباق کے ساتھ بیان کیاجائے۔

ہرچند کہ ڈاکٹر شمس الرحمٰن فاروقی اردوکی ادبی تاریخ نویسی کی روایت سےرالف رسل کی نسبت بڑھ کر بیزار ی کا اظہار کرتے ہیں لیکن انہوں نے رالف رسل کے تینوں نکات سے اختلاف کیا ہے[۲] اور یہ اختلاف بہت مدلل ہے۔انہوں نے میر تقی میر کے نکات الشعرا اور شارب رودالوی کی تصنیف 'جدید اردو تنقید'کے حوالے دے کرواضح کیا ہے کہ 'انتخاب ' کامعاملہ کیسے موضوعی حیثیت اختیار کر سکتا ہے۔

رالف رسل کے دوسرے نکتے پر ان کا اعتراض یہ ہے کہ کوئی بھی مورخ اس امر کافیصلہ نہیں کر سکتا کہ چاہت اور جانکاری دونوں حوالوں سے اس کے قارئین کی ضرورت کیا ہے۔رالف رسل کا تیسرے نکتے پر ان کا موقف ہے کہ ادبی مورخین کےلیے اس حکم کی وجہ موضوعی نوعیت کی ہےاور چونکہ رالف رسل کے خیال میں اردو ادب ایک ایسے معاشرے اور تاریخ کی پیداو ار ہے جس کے بارے میں قارئین بہت کم جانتے ہیں اس لیے ایک سماجی اور تاریخی تناظر

---

[1]اسسٹنٹ پروفیسرمیڈیا اسٹڈیز،جناح یونیورسٹی برائے ویمن، کراچی

** شعبہ اردو، وفاقی اردو یونیورسٹی،عبدالحق کیمپس کراچی

قائم کرنے کی ضرورت ہے حالانکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ ادب کے وقت اور مقام کے تعین کے بجائے،اس شعریاتی نظام،ان صنعتوں،قاعدوں، بحروں،اوزان اور سانچوں کو متعارف کرایاجائے جس سے کوئی ادب اپنے قارئین کےلیے بامعنی حیثیت اختیارکرتا ہے۔ڈاکٹرشمس الرحمٰن فاروقی رالف رسل کےتجویز کردہ امتناعات سےاختلاف تو کرتے ہیں لیکن وہ ان کے مقصد سے بھرپورہمدردی رکھتے ہوئے تسلیم کرتے ہیں کہ وہ اس زاویہ تنقید کے افق کو توسیع دینا چاہتے ہیں چنانچہ رالف کے نکات کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئےوہ کہتے ہیں کہ

> "Many more replies are possible, but my essay is not about answering Russell. In any case, I am in full sympathy with his assessment of the three histories of Urdu literature, which he examines in his essay. I just want to enlarge his scope and say that there hasn't yet been a history of Urdu literature, which does even minimum justice to the literature. ….. His essay about how not to write a history of Urdu literature is just one example of how his teachings and ideas can benefit native Urdu readers and writers." (3)

اس کے بعد اردو کی ادبی تاریخ نویسی پر ڈاکٹرشمس الرحمٰن کا مختصر تبصرہ ہےجس میں وہ اردو ادب کی تاریخ کے نام پر پیدا کیے گئے’قابل ترس (Pitiful)متون کی دو وجوہ قیاس کرتےہیں جن میں سے ایک تو یہ ہے کہ اردو کے منابع قرار پانے والی زبانوں فارسی، عربی اور سنسکرت میں ادبی تاریخ کی کوئی روایت نہیں تھی اور یہ وجہ قرین قیاس بھی ہے لیکن ڈاکٹرشمس الرحمٰن کے مطابق دوسری وجہ مغربی ادب کے روبرو اردو کے ادب کے فروتر ہونے کا حد سے بڑھا ہوا احساس کمتری تھا۔

جہاں تک شمس الرحمٰن فاروقی کی پیش کردہ دوسری وجہ کاتعلق ہے تو ممکن ہے ان کا ارادہ آزادو حالی کی جانب ہو جو کسی حدتک مغربی ادب سے مرعوب تھےمگر ان کی تحریریں معروف معنوں میں تاریخ بھی نہیں تھیں۔آزاد کی آب حیات تذکروں کی ذرا زیادہ ترقی یافتہ صورت تھی جبکہ حالی کا مقدمہ ادبی تنقید کا موید تھا نہ کہ ادب کی تاریخ کا۔زیا دہ سے زیادہ یہ کہاجاسکتا ہے کہ یہ اردو میں تاریخ ادب کی بدیسی روایت کی استواری کا عبوری دور تھا۔ہمارے خیال میں اردو تاریخ و تنقید کی روایت کو انگریزی اور مغربی ادب کی تاریخ نویسی کے سانچوں سے پرکھنے کی خواہش دراصل بذات خود مغربی ادب کے سامنے اردو ادب کے فروتر ہونے کا حد سےبڑھے ہوئے (inordinate) احساس کمتری کا مظہر ہے۔

یقیناً اردو کے منابع فارسی،عربی اور سنسکرت میں تاریخ ادب کی روایت موجود نہیں تھی اس کے تتبع میں اردو میں بھی خالص اور معروضی تاریخ ادب کی روایت موجود نہیں تھی لیکن اس کے باوصف اردو میں فارسی کے تتبع میں تاریخ ادب کی صنف سے قبل تذکروں کی صنف موجود تھی چنانچہ تذکروں پرتاریخ کی پیوندکاری کی وجہ سے اردو کی تاریخ ادب کا ذائقہ تاریخ ادب کی مغربی روایت سے مختلف ہونا طے تھا۔ سوال یہ ہے کہ اس پر معذرت خواہ Apologeticہونے کی ضرورت کیا ہے؟ شاید ہمیں تذکرے کی روایت کو بہتر طور پر سمجھنے کی ضرورت ہے۔

تذکرہ کی روایت کبھی معروضیت کی علمبردار نہیں رہی۔تذکرے شعرا کے ذوق جمال سے زیادہ خود تذکرہ نگار کے ذوق جمال کے آئینہ دار ہوتے تھے۔انہیں بیاض کی ارتقایافتہ صورت قراردیاجاسکتا ہے۔ بیاض میں صرف منتخب اشعار ہواکرتے تھے جبکہ تذکروں میں منتخب کردہ اشعار کے ساتھ ساتھ ان کے شعرا کے تخلص کا اضافہ کردیا گیا۔ وقت کی گزران کے ساتھ ساتھ شعرا کے تخلص کے لحاظ سے ابجدی ترتیب کو اپنا یا گیا اور بعدازاں مختصر سوانحی حالات اور کلام پر تبصرہ بھی تذکرے کی روایت میں شامل ہوگیا۔تذکرہ نگاراپنے معاصر شعرا کے حالات زندگی ان کے نمونہ کلام اور اپنی تنقیدی آرا کے ساتھ محفوظ کرتے رہے۔

> ’’یوں تذکرہ بیاض سے مختلف ۱ور مختصر منزلیں طے کرتا ہو۱ نیم تاریخی، نیم تنقیدی ۱ور نیم سو۱نحی ماحول میں پرورش پانے لگا۔ وقت ۱ور ماحول کے تقاضوں نے تذکروں پر ادبی

تاریخ، تنقید اور سوانح نگاری کے گہرے اثرات مرتب کیے پھر یوں ہوا کہ ان تین رنگوں کا مجموعہ نہ تو ادبی تاریخ کا نام پا سکا اور نہ ہی تنقید کہلا سکا اور نہ سوانح نگاری کے ضمن میں آسکا تو وہ تذکرے کے فن سے معروف ہوگیا اور شعراکے مختصر حالاتِ زندگی، کلام پر سرسری تبصرہ اور انتخاب اشعار کو اِس فن کے عناصر ترکیبی میں شمار کیا گیا۔''(۴)

تاریخی اعتبار سے میر تقی میرکا تذکرہ نکات الشعرا ہےاردو شعرا کا پہلا تذکرہ ہے۔فارسی زبان میں لکھے گئے تذکروں کی اس طویل فہرست میں فتح گردیزی کاتذکرہ ریختہ گویان، ابرابیم خلیل گلزار ابرابیم،لچھمی نرائن شفیق چمنستان شعراء اور مصفحی کے تین تذکرے تذکرہ ہندی،ریاض الفصحا اور عقد ثریا زیادہ نمایاں ہیں۔اردو زبان میں لکھے گئے اردو شعرا کے تذکروں میں مرزا علی لطف کا"تذکرہ گلشن ہند" ہے۔اردو تنقید کے حوالے سے دیکھا جائے تو نواب مصطفی خان شیفتہ کا تذکرہ "گلشن بے خار"۱۸۳۴ خاص طور پر اہمیت کا حامل ہے۔تذکروں کا یہ سلسلہ مولانا آزاد کی تصنیف"آب حیات"جو ۱۸۸۰ میں شائع ہوئی تک چلتا رہا۔اس کتاب کو اردو شاعری کی پہلی تاریخ کہا جاتا ہے۔لیکن آزاد نے خود اسے تذکرے کا نام دیا ہے۔اس کے بعد اردو ادب کی تاریخیں لکھی جانی شروع ہوئیں' '(۵)یسے میں زیادہ سے زیادہ یہ کہاجاسکتا ہے کہ آزاد اور حالی اس عبوری لمحے میں موجود تھے جس میں تذکروں کی قدیم اور نیم ادبی نیم سوانحی تاریخ سےادبی تاریخ کی مشعل مغربی طرز کی تاریخ ادب کو منتقل ہورہی تھی۔

اردو کے ادبی تاریخ کے متون کے قابل ترس (Pitiful) ہونے کی ایک وجہ اگریہ تھی کہ اردو کے منابع قرار پانے والی زبانوں فارسی، عربی اور سنسکرت میں ادبی تاریخ کی کوئی روایت نہیں تھی۔ تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا فارسی،عربی اور سنسکرت کی ادبی تاریخوں کا متن بھی لائق ترس ہے؟ اور اگر اس کی وجہ یہ ہے کہ اردو کی ادبی تاریخ 'تذکروں کی روایت'کی باقیات لیے ہوئے ہے تو یہ کیوں نہیں کہاجاتا کہ مغربی ادبی تواریخ میں تذکروں کی روایت نہ ہونے کی وجہ سےکٹیلاپن زیادہ اور شائستگی کم ہے۔ اگرادبی تاریخوں پر یہ اعتراض رالف رسل کا ہوتا توبات سمجھ میں آتی کہ اس نے جس اجنبی روایت سے اکتساب کیا وہ اسکے عمیق جمالیاتی سوتوں سے آشنا نہیں ہوسکتا تھا لیکن لیکن ڈاکٹرشمس الرحمٰن فاروقی نے اردو کی ادبی تاریخوں کی بدحالی کی جو دووجہیں گنوائی ہیں وہ خود ان کی ذات کے اندر موجودمغربی ادب کے روبرو اردو ادب کی کے فروترہونے اور کم مائیگی کے احساس کی مظہر ہیں۔قیاس یہی کہتا ہے کہ وہ‌ادبی تاریخوں کے تناقص کی وجوہ درست طور پر بیانArticulateنہیں کرپائے۔

اعتراضات کا طویل سلسلہ شروع ہوتا ہے جس میں سے پہلا اعتراض تو ان کے خیال میں اس قدر'مبرہن' ہے کہ اس کا ذکر ہی نہیں کریں گے اور پھراگلے ہی جملے میں اس کا بھرپور تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اردو میں کوئی سی دو تاریخیں ایسی نہیں ملتیں جن میں شعرا کی تاریخ پیدائش اور تاریخ وفات ایک جیسے ہوں، کتابوں کی تاریخ اشاعت موجود ہو۔اپنے اس اعتراض کی دلیل میں البتہ انہوں نے اردو کی ادبی تواریخ میں اختلافات کا بیّن حوالہ نہیں دیا۔ دے دیتے تو اچھا تھا۔ہمیں اردو کی جتنی ادبی تاریخوں سے اکتساب کا موقع ملا ہے ان کے بیشتر مندرجات اور بالخصوص بڑے بڑےواقعات مثال کے طور پر ولی کا دلی آنا، میر، سودا، درد، غالب، مومن کے سن پیدائش و وفات، میر کی دلی سے لکھنؤآمد میں مماثلت و تطابق پایاجاتا ہے۔ولی کا سن وفات ایک استثنیٰ ہے لیکن جمیل جالبی جو اس حوالے سے سواداعظم سے الگ ہوئے تو انہوں نے اس پر دلائل بھی دیئے ہیں۔

برصغیر کے تمدن میں تاریخ پیدائش کی ریکارڈ کیپنگ کی کوئی مبسوط روایت نہیں ملتی لیکن شعرکی صورت میں تاریخ وفات کہے جانےکی روایت عام تھی۔جہاں تک کتابوں کی تاریخ اشاعت کا سلسلہ ہے تو جیسا کہ خود ڈاکٹرشمس الرحمٰن فاروقی نے اشارہ کیا ہے''اشاعت تسلسل پذیرسلسلہ ہے'' چونکہ شعرا کی زیادہ ترکتابیں چھاپہ خانے کے بجائے قلمی تھیں اس لیے ان میں مسلسل قطع و برید کا عمل جاری رہا اور اس وجہ سےبہت سی کتابوں کا قطعیت کے ساتھ سن اشاعت تلاش کرنا ممکن نہیں ہے۔ایک چیز اور جو اردو کی ادبی تاریخوں کو مغربی طرز کی ادبی

تاریخوں سے متمیزکرتی ہے وہ یہ ہے کہ مغربی ادبی تاریخیں ایک مخصوص اور چھوٹے سے خطے میں تسلسل سے ابھرنے والی روایت کےپس منظرمیں لکھی گئیں،مثال کے طور پر انگریزی ادب کی روایت برطانیہ میں ہی ہے، فرانسیسی ادب فرانس اور اطالوی ادب اٹلی میں موجود ہے،ہندوستان کے مقابلے میں یہ بہت ہی چھوٹے خطے ہیں،اسی نسبت سے ان کی اندرونی سیاسی تاریخ، ان کےمذاہب،ان کی زبان کے لہجوں میں تفاوت اور رنگارنگی بھی ہندوستان کی نسبت بہت کم ہے۔ہندوستان جہاں دکن، دلی اور لکھنؤ سمیت دیگر جغرافیائی وحدتوں میں ایک دوسرے سے بہت حدتک جداگانہ طور پر فروغ پانے والی ادبی روایتیں موجود رہی ہیں،ان کے سراغ پانے کےلیے ایک متسلسل تاریخ کے بجائے مقاومیت بھری درجنوں تاریخیں درکار ہیں۔ اردو کے ادبی تاریخ نگاروں بالخصوص ڈاکٹر جمیل جالبی مرحوم نے ادبی تاریخ کے ضمن میں جوکام کرکے جوقرض اُتارا ہے یہ واجب بھی نہ تھا۔

ڈاکٹرشمس الرحمٰن فاروقی کا دوسرا بڑا اعتراض یہ ہے کہ زبان کے ساتھ لفظ '' اردو'' کے منسوب ہونے کی وجہ اور تاریخ کا پتہ نہیں چلایاجاسکا، وہ زبان کے نام کا رشتہ مسلمان فاتحین کی افواج کے ساتھ جوڑنے کا تاثر رد کرتے ہیں۔وہ اس سلسلے میں گراہم بیلے اور محمود شیرانی کی کاوشوں کا تذکرہ کرتے ہوئےشکایت کرتے ہیں کہ بعد کےمحققین نے لفظ اردو کے حوالے سے کوئی سوال بھی نہیں اٹھایا۔ وہ درست کہتے ہیں کہ یہ لفظ پہلی مرتبہ سترہویں صدی میں استعمال ہوا اور یہ دور وہ تھا جب ہندوستان میں غیر ملکی افواج یورپی افواج تھیں،ان کا یہ کہنا بھی درست ہے کہ اردو کو شہری زبان کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی کوئی عوامی بنیاد نہیں ہےاور اس تاثر کو رد کرنے کی ضرورت ہےکیونکہ کوئی بھی زبان عوامی بنیاد کے بغیر پنپ نہیں سکتی۔ البتہ یہ کہنا درست نہیں ہے کہ زبان کےلیے لفظ اردو کے استعمال کو زیربحث نہیں لایا گیا،حقیقت یہ ہے کہ لفظ اردو کے استعمال کو اچھی طرح کھنگالا تو گیا ہے لیکن نتائج سے یہ استنباط نہیں کیا گیا جوڈاکٹرشمس الرحمٰن فاروقی نے کیا ہے۔اگرچہ ڈاکٹرشمس الرحمٰن فاروقی کا استنباط زیادہ مدلل اور قرین قیاس ہے لیکن بادی النظر میں یہ زبان سے وابستہ اس سیاسی صورتحال کا زائیدہ ہےجو ہندی اردو مناقشے، تقسیم ہند کے بعد مسلمانوں کوبھارت میں درپیش ہے۔وہ شکوہ کرتے ہیں کہ محمود شیرانی اورگراہم بیلے نے اردو لفظ کا سوال اٹھایا لیکن کسی نتیجے پر نہیں پہنچے۔خود اردو کا ابتدائی زمانہ میں ڈاکٹرشمس الرحمٰن فاروقی جس نتیجے پر پہنچے وہ یہ ہے کہ

> ''ہماری زبان کے نام کے طور پر لفظ '۱اردو'کا استعمال ۱ٹھارویں صدی کے ربع آخر کے پہلے نہیں ملتا۔زبان کے نام کے طور پر ۱س لفظ(۱اردو)کی زندگی غالباً'زبان ۱اردو معلائے شاہجہاں آباد'کی شکل میں شروع ہوئی ۱ور ۱س مر۱د تھی،'شاہجہاں آباد کے شہر معلیٰ،قلعہ معلیٰ،دربار معلی کی زبان۔''(۶)

اگریہی وہ '' محکم نتیجہ '' ہے جس پر آپ اپنی تحقیق کے زور سے پہنچے تو شیرانی بھی تو اسی سے ملتے جلتے نتائج پر پہنچے تھے۔شیرانی نے اکبر کے وقیعہ نویس ابوالفضل نے اپنی مشہور کتاب 'آئینِ اکبری' کا حوالہ دیتے ہوئے بتایا ہے کہ مغلوں نے اپنے منگول ثقافتی ورثے کے طور پر ایک ایک خیمہ گاہ 'اردوئے ظفر قریں'کا اہتمام کر رکھا تھا۔(۷)شیرانی کے بقول ''' اردوے ظفر قریں' میں ایک سفری ٹکسال بھی تھی اور دلچسپ بات یہ ہے کہ اسے بھی اردوے ظفر قریں کہا جاتا تھا۔ یہ ٹکسال جہانگیر اور شاہجہاں کے وقت بھی زیرِ استعمال تھی اور بعد میں صرف اردوکہلانے لگی۔اس سے اتنا تو طے ہوتا ہے کہ شاہجہاں کے عہد تک 'اردو' کا لفظ برصغیر میں مستعمل تو تھامثال کے طور پر یہ تزک بابری میں مرقوم ہے اور اکبر کے دور میں اس لفظ کے مرکبات عام استعمال کیے جاتے تھے، مثال کے طور پر 'اردوے معلیٰ'، 'اردوئے علیا'، 'اردوے بزرگ'، حتیٰ کہ' اردوے لشکر'۔تمام مرکبات میں اردو کا مطلب شاہی کیمپ ہے مگر یہ زبان کے معنوں میں مستعمل نہیں تھے۔(شیرانی، 1929ء)۔علامہ قاضی نے لفظ اردو کے بارے میں نئی تحقیقا تی مواد کی بنا پر لفظ اردو کو ترکی زبان کا لفظ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔وہ اس ضمن میں رقم طراز ہیں'':عام سندھی بول چال میں'اردو' ڈھیر یااشیاء کے ذخیروں اور انسانوں کے اجتماع

کو کہتے ہیں۔اس لفظ کے یہ معنی عربوں کے سندھ میں وارد ہونے سے تین ہزار برس پہلے سے رائج ہیں،چنانچہ یہ تسلی رکھنی چاہیے کہ معدودے چند تاریخ نگاروں کے سوا کوئی بھی اردو کو ' لشکری زبان 'نہیں مانتا۔ہاں اتناضرور ہے کہ لفظ اردو کی بحث میں بیشترمورخین لشکری زبان کے تصورکاتذکرہ ضرورکرتے ہیں جس سے یہ غلط فہمی پیدا ہوسکتی ہے کہ شاید وہ اس نظریئے کے موید ہوں حالانکہ ان میں سے زیادہ تر اس نظریئے کا تذکرہ ہی اس کی اثابت پر سوال اٹھانے کےلیے کرتے ہیں۔پھر یہ بھی ہے کہ کثرت استعمال سے مختلف ادوار میں ایک ہی لفظ اپنے لغوی معنوں سے مختلف معنوں میں استعمال ہونے لگتا ہے اور اسی طرح کسی بدیسی زبان کا لفظ دیسی زبان میں آکر نئے معنوں میں استعمال ہونے لگتا ہے۔اس لغوی اختلاف کو ماہرین لسانیات 'معنویاتی خلا'Lexcial gapکہتے ہیں۔لفظ اردو کے ضمن میں اگرچہ لشکر کا معنی بھی مروج رہا ہے لیکن منگولوں کے عہد میں ہی اس میں Lexical gapپیدا ہوچکا تھا اور اسے بستی یا شہر کے معنوں میں استعمال کیاجارہا تھا۔

اگلا اعتراض یہ ہے کہ کسی مورخ نے کھڑی بولی کو اردو قرار نہیں دیا اور ہندی کو کھڑی بولی یعنی اردو کا ایک روپ Versionنہیں گردانا۔حقیقت یہ ہے کہ مسعود حسین خاں سہیل بخاری' گیان چند جین' مرزا خلیل احمد بیگ اور انصار اللہ نے اردو اور کھڑی بولی کے رشتہ کو تفصیل سے پیش کیا ہے۔تاہم اس حوالے سے یہ پہیلی حل طلب ہے کہ اگر اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں دلی کے نواح کی زبان کھڑی بولی کو اردو قراردیاجائےتوکم و بیش ہزار میل کے فاصلے پر سیکڑوں برس قبل بولی جانے والی زبان جسے ہم دکنی یا گجری کے نام سے جانتے ہیں کیا اردو نہیں تھی۔

آپ فرماتے ہیں:

> ''اردو زبان و ادب کے کسی مورخ کو یہ توفیق نہیں ہوئی کہ وہ مبرہن اظہارکر سکے کہ کھڑی بولی ہی دراصل اردو( جسے دوسرے ناموں کے علاوہ پہلے پہل ہندی بھی کہا گیا) ہے اور یہ کہ جدید ہندی کھڑی بولی یا اردو کا ہی ایک روپ ہے۔ زبان کے منبع کے حوالے سے اس کھچے ہوئے تصور کی وجہ سے ہمارے خیال میں اردو کی نوعیت میں متعدد طرح کے الجھاوے آئے ہیں۔''(۸)

ہمیں شبہ ہےکہ کھڑی بولی کو براہ راست اردو قرار دینا بھی دراصل ایسا ہی ایک کھچا ہوا تصورSkewed visionہے جسے اگر اٹھنے والے متعدد سوالوں کا جواب حاصل کیے بغیر مان لیا گیا تو اردو کی نوعیت میں اور بھی کئی طرح کے الجھاوے آئیں گے۔

ایک اعتراض یہ ہے کہ اردو کو 'شہر' کے مکینوں کی زبان اور ہندی کو گائوں میں رہنے والوں یعنی گنواروں کی زبان سمجھاجاتا ہے۔ گارساں دتاسی اور سرسید احمد خان بھلے ہی اس سوچ کے حامی ہوں اور بھلے ہی ترقی پسند اردوکے ارتقا پر تہمتیں دھرتے ہوں،حقیقت یہ ہے کہ نہ تو اردو محض شہر کے مکینوں کی اور نہ ہی ہندی محض گنواروں کی زبان تھی کیونکہ علم بشریات اور لسانیات کی روسے زبانوں کو شہروں اور گائوں میں مقید رکھانہیں جاسکتا۔ہاں اتنا ضرور ہے کہ جدید ہندی میں کلکتہ کے مکین لّلو جی کے ایما پر سنسکرت کا پیوند لگایا گیا جس نے مشترکہ زبان کے حسن کو ماند کیا دوسری جانب ردعمل میں مسلمانوں بالخصوص علما اور مشائخ نے اردو کو زیادہ مفرس اور زیادہ معرب کرنا شروع کردیا (ذرااشرف علی تھانوی کی نشرالطیب فی ذکرا لنبی الحبیب کا مطالعہ کیجیے، لگ پتہ جائے گا) اور اس کا اثر بھی جدید ہندی جیسا ناپسندیدہ ہوا لیکن بفضل خدا تعالیٰ وہ جلد ہی اپنے خالق حقیقی سے جاملی۔

۱صولی طور پر کوئی بھی سیاسی ۱ثرونتیجہ تاریخ کے باب میں صد۱قت پر اثر۱ند۱از نہیں ہونا چاہیے،ڈ۱اکٹر صاحب کا ز۱ویہ دفاع غلط ہے لیکن مقدمہ درست ہے ۱اردو کے بارے میں یہ تاثربہت پختہ ہے کہ یہ دربار کی سرکار ی زبان تھی یاکم ۱از کم مسلمان ر۱جواڑوں کی سرکاری زب۱ان تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ مغل دربار میں فارسی سرکاری زبان تھی جبکہ مقامی زبان ۱اردو کو تو گری پڑی(ریختہ ) تصور کیاجاتا تھا۔ یہ جو ایک وقت میں مسلم راجو۱اڑوں میں ۱اردو کی سرپرستی نظرآتی ہےیہ در۱اصل شغل میلہ تھا۔مسلم ر۱جائوں نے فارسی کی جگہ ۱اردو کودفتری

اور سرکاری مقاصد کےلیے استعمال نہیں کیا ہاں تفنن طبع کےلیےمقامی زبان اردوکے استعمال میں انہیں کوئی تامل نہ تھا۔یہ انگریز تھے جنہوں نے بدیسی زبان ’فارسی‘ کی جگہ مقامی زبان اردو کو بنگال اور یوپی سمیت دیگر صوبوں میں سرکاری زبان کے طور پر رائج کیا۔3 یہ درست ہے کہ اردو کی محبت میں اردو کے مورخین نے انگریزوں کی جانب سے مغل دربار کی سرکاری زبان ’فارسی ‘ کے دیس نکالے اور مقامی زبان ’اردو‘ کی استواری پر بہت کم توجہ دی ہے۔ آپکا اگلا اعتراض یہ ہے کہ

> "Literary historiography in Urdu has always been oriented toward Delhi, and it generally remains so even today, after Dakani and later Gujri were brought on the map mostly as a result of the efforts of Dakani scholars like Nasiruddin Hashimi and Muhyiuddin Qadiri Zor in the 1920's and 1930's. Maulavi Abdul Haq as General Secretary of Anjuman Taraqqi-e Urdu and its journal Urdu also contributed to this rediscovery." **(9)**

یہ درست ہے کہ تاریخ ادب اردو دہلی کی جانب جھکی ہوئی ہے لیکن اس کی وجہ دربار سے کہیں زیادہ مشاہیر شعرائے دہلی کے کلام کا معیاربند اور معیاری ہونا ہے۔ دکن کا زکر اولیت کے باب میں اور لکھنؤ کا تذکرہ دلی سے ادبی مسابقت کی کوششوں کے ضمن میں آئے گا۔ آگرہ،مرشد آباد،لاہور اور دیگر ہندوستانی مقامات میں اردو شاعری کا وجود توہے لیکن یہ استثنائی صورتیں ہیں ۔ یہ شاعری نہ تو یہ مقدار کے لحاظ سے اور نہ ہی معیار کے لحاظ سے دلی میں ہونے والی شاعری کے پاسنگ ہے۔

دہلی میں ایہام گوئی ’ کی تحریک‘ بھی ڈاکٹر صاحب کی تنقید کی زد میں آئی ہے لیکن دہلی میں ولی کے کلام کی قبولیت سےفارسی اردو ذوللسانیت کا جو جھکڑ چلا ایہام گوئی اس کا فطری نتیجہ تھی اور اسے تحریک کہنے میں ہمارے خیال میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اگرڈاکٹر صاحب اس کے پس منظر میں کسی فلسفیانہ مبحث کی تلاش میں ہیں تووہ واقعی نہیں ملے گا کیونکہ یہ تحریک شعوری سطح پر نہیں بلکہ اجتماعی ذوق پر دیوان ولی سے لگنے والی ضرب کے نتیجے میں بغیر کسی نظم کے وجود میں آئی۔ایہام گوئی کی تحریک مورخین کی ایجاد نہیں وقوع ثابتہ ہے۔

بعد میں اصلاح زبان کی نام نہاد تحریک بپا ہوئی۔ شاہ حاتم کے دیوان زادے کے دیباچے سے لے کرمرزا مظہر جاناں کی کاوشوں کے نتیجے میں دہلی سے ایہام گوئی کا غالب اثر ختم ہوا۔گویا چند افراد کے ایما پرشروع ہونےوالے اس رویے نے سارے شہر کوہم خیال بنالیا۔ ان اصحاب نے سنسکرت اور مقامی بھاشائوں کے الفاظ کو اردو کے استنادCanonسے خارج کردیا۔ڈاکٹر صاحب نجانے کیوں اس تحریک کو اس کی اصل حیثیت سے کم کرکے پیش کرنے کے خواہاں ہیں۔اپنے اس مضمون میں وہ ان الفاظ میں اصلاح زبان کی تحریک کے مویدین کا دفاع کرتے نظر آتے ہیں کہ

> "They didn't stop to read the poetry, nor did they appreciate that a poet, like all human beings, doesn't necessarily do what he says he does, and that there may have been literary politics underlying Hatim's pronouncements." **(10)**

اردو ہندی قضیے کی جڑیں اسی اصلاح زبان کی مذموم تحریک میں موجود ہیں۔وہ جنہو ں نے زبان کی جمالیات میں انجنیئرنگ کرنے کی کوشش کی رعایت کے مستحق نہیں۔ہمارے مورخین نے شاید یہ واضح کرنے میں کچھ کوتاہی برتی ہے کہ عوامی ذوق انفرادی زاویہ جمال کی نگہبانی میں آگے نہیں بڑھتا لیکن یہ بھی درست نہیں کہ وہ ادب میں جھاڑ جھنکاڑ صاف کرنے کے مفروضے کے موید ہیں۔حاتم اور جانجاناں اگرانفرادی حیثیت میں اپنے ذوق جمال کی بابت کچھ

تحریر کرتے تو ان کیخلاف کوئی مقدمہ نہیں بنتا لیکن وہ شعرائے دہلی کے رول ماڈل تھے اور ان کی تحریروں کا اثر اس دور کے سخنوروں پر ہونا ہی تھا۔

ان کا اعتراض ہے کہ مورخین نے ادب کے عروج کے دورکو دہلی کے (سیاسی و اخلاقی) انحطاط کا دور کیوں لکھا۔یہ کہانی کوئی اساطیر تونہیں ہے کہ اردوادبیات کےعروج کا دور دہلی کے انحطاط کا دور بھی تھا۔شعرا دہلی چھوڑ کربھی گئے،کچھ موجود بھی رہے۔شعر پر دکھ اور یاسیت کے سائے بھی اترے اور جعفرز ٹلی اور سودا کے شہرآشوب اپنے زمانے کے انحطاط کی شکایت کرتے بھی نظر آتے ہیں، یہ بھی درست ہے کہ شاعری کا بیشتر حصہ آفاق کے بجائے انفس اور متصوفانہ مضامین پر مشتمل ہے۔ ہاں ہم جنسیت کے مضامین کو دہلی کے اس مخصوص سیاسی واخلاقی انحطاط سے جوڑنے پر اعتراض اس طرح واجب ہے کہ ہم جنسیت ہرزمانے میں موجود رہی ہے۔ شاعری میں ایسے موضوعات کا در آنابھی فطری ہےبلکہ نظیر اکبرآبادی کے ہاں یہ معاملات مزید معاملہ بندی کےساتھ ملتے ہیں حالانکہ آگرہ کے حالات دہلی کی طرح کے ' اجڑے دیار' کے نہیں تھے۔

آپ کہتے ہیں کہ اردو کے مورخین فورٹ ولیم کالج میں ہونے والے کام کو ادب عالیہ قراردینے پر مصر ہیں، حالانکہ شاید ہی کوئی ایسی تاریخ ہو جس کے مرتب نے ' انگریزی امن کے عہد' میں فورٹ ولیم کالج کے سامراجی کردار سے پردہ نہ اٹھایا ہو لیکن ساتھ ہی ساتھ اردو نثر کو پہنچنے والے فائدے کوتسلیم نہ کرنا بھی ناانصافی ہے۔

یہ اعتراض کہ

> "The emergence of Lucknow, and then Calcutta as new centres of Urdu literature helped divert the historian's attention from the southern and eastern centres, especially Hyderabad, Aurangabad….the east. Mainline historians rarely let their gaze wander beyond Lucknow and Delhi. The result is that these areas are today below the horizon of the average student of Urdu literature. Very few of us know, for example, that Shah Ghulam Yahya Insaf Ilahabadi (d. 1780) wrote delightful comic verse and was perhaps the first Urdu poet to devote himself exclusively to comic poetry."

اپنے اندر بہت وزن رکھتا ہے۔یہی ڈاکٹرشمس الرحمٰن فاروقی کی تنقید کا محور بھی ہے۔وہ بار بار درباری دنیا سے باہر لکھی جانے والی اردو کی جانب توجہ دلاتے ہیں۔ آپ درست کہتے ہیں کہ حیدرآباد، اورنگ آباد، ویلور، الہ آباد، عظیم آباد، مرشدآباد کی شاعری اور نثر کو مورخین نے مناسب اور موزوں توجہ نہیں دی، اس فہرست میں لاہور،ٹھٹھہ، بنوں، قلات کا اضافہ بھی کیاجاسکتا ہے۔

# حوالہ جات


1. Faruqi, S. R. (2008). A Modest Plea: Please, Could We Have A Proper History of Urdu Literature? Urdufest-2008,. Charlottesville: University of Virginia.
2. Russell, R. (1999). How Not to Write the History of Urdu Literature: And Other Essays on Urdu and Islam. Oxford University Press, USA.
3. Faruqi, S. R. (2008). A Modest Plea: Please, Could We Have A Proper History of Urdu Literature? Urdufest-2008,. Charlottesville: University of Virginia.

4۔ طاہر ,ی .(n.d.) .اُردو تنقید میں تذکروں کی اہمیت(.ا .خالد ).Ed ,عکاس.18

۵۔ خان،م.یاز ا ,2016) .ستمبر یکم .(الی سے قبل اردو تنقید کی روایت) .ڈ .ع .اسرائیل (.Ed ,اردو ریسرچ جرنل .(9)

٦۔ فاروقی ,ش .ا .(2011) .اردو ادب کا ابتدائی زمانہ.

۷۔ شیرانی،ح .م .(1966) .مقالات حافظ محمود شیرانی .لاہور :مجلس ترقی اردو.

۸۔ مولوی عبد الحق:اردو کی ابتدائی نشو ونما میں صوفیائے کرام کا کام،کرانچی،انجمن ترقی اردو،طبع سوم،۱۹۵۳